جمیل الدین عالی

(حالاتِ زندگی)

خاندانی نام نوابزادہ مرزا جمیل الدین احمد خان تھا۔ ۲۰ جنوری ۱۹۲۶ء کو سر امیر الدین فرخ مرزا (والئی لوہارو) کے ہاں دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا نواب علاؤ الدین احمد خان (علاؤ الدین علائی) مرزا غالب کے شاگرد عزیز دوست اور قادر الکلام شاعر تھے۔ عالی کے والد سر امیر الدین احمد خان بھی اچھے شاعر تھے جبکہ والدہ سیدہ جمیلہ بیگم کا تعلق خواجہ میر دردؔ کے علمی و ادبی خاندان سے تھا۔

ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۹۴۴ء میں اینگلو عربک کالج دہلی سے بی۔اے کیا۔ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۴ء کو طیبہ بانو سے شادی ہوئی۔ تقسیمِ ہند کے بعد ۱۹۴۸ء میں پاکستان منتقل ہوئے اور اسی سال وزارت تجارت میں ملازمت اختیار کی۔ ۱۹۶۷ء میں نیشنل بینک آف پاکستان سے وابستہ ہو گئے اور ترقی کر کے سینئر ایگزیکٹو پریذیڈنٹ کے عہدے تک جا پہنچے۔ ۱۹۸۸ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔

انھوں نے سرکاری خدمات کے ساتھ ادبی میدان میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے۔ پاکستان رائٹرز گلڈ کے قیام میں حصہ لیا اور معتمد رہے۔ انجمن ترقی اُردو کے اعزازی معتمد ہونے کے ساتھ ساتھ کئی انجمنوں کے رکن رہے۔ عالی کی شاعری میں کلاسیکیت، جدیدیت اور روایت سے وابستگی کے رجحانات نمایاں ہیں۔ انہوں نے دوہے، غزل، نظم، گیت اور نغمے لکھے۔ خصوصاً دوہے کو نئی بلندیوں کی راہ دکھائی۔ کئی مشہور قومی نغموں کے خالق ہیں جن میں ''جیوے جیوے پاکستان، ہم مائیں ہم بہنیں ہم بیٹیاں، جو نام وہی پہچان، ہم مصطفوی مصطفوی ہیں'' مشہور ہیں۔ بطور کالم نگار قومی اخبارات میں ''اظہاریے'' کے نام سے طویل عرصے تک کالم لکھتے رہے۔ پاکستان ٹیلی وژن کے لئے لازوال ڈرامے لکھے۔ اُن کا کلام ''دوہے'' کے (تین ایڈیشن) ''دنیا میرے آگے''، ''تماشا میرے آگے''، ''حرفے'' (تین ایڈیشن)، کالموں کا مجموعہ، اظہاریے اور کئی کتب کے تراجم انکا بیش بہا ادبی سرمایہ ہیں۔

علمی ادبی اور قومی خدمات پر عالی کو آدم جی ایوارڈ ۱۹۶۳ء، یونائیٹڈ بینک لٹریری ایوارڈ ۱۹۶۵ء، حبیب بینک لٹریری ایوارڈ ۱۹۶۵ء، کینیڈین اُردو اکیڈمی لٹریری ایوارڈ ۱۹۸۸ء، حکومت پاکستان کی جانب سے تمغہ برائے حُسن کارکردگی ۱۹۹۱ء اور ہلالِ امتیاز ۲۰۰۴ء میں عطا کیا گیا۔ ۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۳ء سینٹ آف پاکستان کے رکن بھی رہے۔

۲۳ نومبر 2015ء کو کراچی میں وفات پائی۔

بابل کے کھنڈرات

(جمیل الدین عالی)

مقاصدِ تدریس

- طلبہ کو 'بابل کے کھنڈرات' کی تاریخ سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ کو اُردو ادب میں صنف سفرنامہ نگاری کی روایت اور اہمیت بتانا۔
- طلبہ کو جمیل الدین عالی کی اسلوب نثر سے آگاہ کرنا۔
- طلبہ کو اُردو ادب میں جمیل الدین عالی کا مقام بتانا۔

الفاظ و تراکیب

قدامت	پاداش	قانون دہندہ	پیچ در پیچ	عظمت رفتہ	بام عروج
دہریہ	مخبوط الحواس	ارتعاش	شاہانہ نمود	ریشم و سنجاب	

بابل...... جس کی قدامت اور عظمت کے بارے میں بے شمار کہانیاں، روایتیں، اندازے اور انکشافات ''کتابِ مقدس'' کے اوراق سے لے کر ہیروڈٹس یونانی سیاح جیسے عینی گواہوں اور بیسویں صدی کے جرمن ماہرین آثار قدیمہ کی کتابوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔

بابل جو انسانی تاریخ کے اوّلین بابوں میں شمار ہوتا ہے۔ جہاں اٹھارہویں صدی قبل مسیح یعنی اب سے تین ہزار سات سو برس پہلے شہنشاہ حمورابی نے سوسائٹی کے لیے وہ دستور اور قوانین بنائے تھے جن کے سبب وہ حمورابی قانون دہندہ کہلاتا ہے۔ حمورابی کی قانون سازی معاشرتی حقوق و فرائض کی پیچ در پیچ عمارت کی پہلی بنیادوں میں شامل ہے۔ تین ہزار سات سو برس پہلے بہت سے ملک تہذیب تو کیا انسانی آبادی سے بھی محروم تھے۔

مگر جو بابل ہم دیکھ رہے ہیں وہ بخت نصر کا بنایا ہوا بابل ہے کیونکہ حمورابی کا بابل سولہویں صدی قبل مسیح میں بیرونی حملہ آوروں نے بڑی حد تک تباہ کر دیا تھا اور پھر کم زور سلطنتوں کے عروج و زوال میں اسے نو صدیوں تک اپنی عظمت رفتہ واپس نہ مل سکی۔ یہاں تک کہ ساتویں صدی قبل مسیح کے طاقت ور شہنشاہ بختِ نصر نے اسے دوبارہ بام عروج پر پہنچا دیا۔ بختِ نصر نے چوالیس برس حکومت کی اور اس کے زمانے میں دجلہ و فرات کے درمیان اس اونچی فصیلوں والے شہر سے وہ تہذیب ابھری جس کی یادیں اور یادگاریں یورپ و امریکہ کی شان و شوکت سے آنکھیں لڑاتی ہیں۔

بختِ نصر دہریہ تھا یعنی خدا یا دیوتاؤں کو نہیں مانتا تھا اور اسی لیے اپنی حوصلہ مندی اور طاقت کے باوجود اپنی قوم میں غیر مقبول ہو گیا۔ شاید یہی سبب تھا کہ اس کے بعد بادشاہی اس کے خاندان میں قائم نہ رہ سکی اور اس کی موت کے بعد بہت جلد شہنشاہ ایران سائرس نے بابل پر قبضہ کر لیا۔

ہاں یہ وہی بابل ہے جہاں ہندوستان سے واپسی پر سکندر اعظم نے مسلسل تین دن تین رات جشن منایا اور تین

دن بیمار رہ کر مر گیا۔ اب وہ بابل کھنڈر ہے۔ آثار قدیمہ کا ایک گوشہ ہے اور ہم بیسویں صدی کے کمزور بے طاقت سیاح ان محلات کے ان حصوں میں گھوم رہے ہیں جہاں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ یہاں کوئی پہرے دار نہیں جو ہمیں ان عشرت خانوں میں داخل ہونے سے روک دے کوئی محتسب نہیں جو ہماری گفتگو پر ہماری تنقید پر پابندی لگا سکے۔ مجھے بابل کے کھنڈروں میں گھومتے ہوئے ایک عجیب سی آزادی اور خوشی محسوس ہو رہی ہے۔ ہمارا گائیڈ ایک مفلوک الحال عراقی ہے مگر وہ ایک صحت مند اور ہنس مکھ آدمی ہے، انگریزی صاف اور تیزی سے بولتا ہے۔

''ہاں بیٹا بخت نصر''۔ وہ چوک میں کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے۔ اب ہم سے بات کرو میں روز غیر ملکی سیاحوں کو تمہارے محلات کی سیر کراتا ہوں اور تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ تم اس ملک کے سب سے زیادہ باجبروت بادشاہ تھے۔ تمہاری آنکھ کے ایک اشارے پر موت اور دوسرے پر زندگی رقص کرتی تھی۔ اب بولو بیٹا! میں تمہارے دارالسلطنت کے دل میں کھڑا ہو کر تمہیں القاب و آداب کے بغیر پکار رہا ہوں۔ کہاں ہیں، تمہاری سوار اور پیادہ فوجیں؟ کہاں ہیں، کہاں ہیں تمہارے خفیہ اور باوردی محتسب؟ تم ایک مطلق العنان شہنشاہ تھے مگر تم مر گئے اور ختم ہو گئے اور تمہارا جاہ و جلال اور دبدبہ تمہارے ساتھ ختم ہو گیا اور میں ایک چھوٹا آدمی ہوں مگر میں زندہ ہوں اور زندہ رہوں گا۔ میں عامی ہوں، عام آدمی۔ تاریخ تم پر ہنستی اور مجھ سے شرماتی ہے۔

بخت نصر کوئی جواب نہیں دیتا، کسی سمت سے کوئی تیر نہیں چلتا جو اس کے سینے میں پیوست ہو جائے، کوئی تلوار کوئی خنجر نہیں جو اس کی زبان قلم کر دے، یہ عراقی گائیڈ مخبوط الحواس سہی مگر اس کی زبان وقت کی زبان ہے جو کٹ نہیں سکتی۔ آج وہ شہنشاہ جس کے نام سے عراق، شام اور ایران کانپتے تھے۔ ایک معمولی سے گستاخ گائیڈ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

ہاں موت سب کو آتی ہے مگر وہ اچھی طرح یاد کیے جاتے ہیں جنہوں نے کچھ کام دوسروں کے لیے بھی کیے ہوں۔ کل میں حضرت امام حسینؓ کی قتل گاہ بھی دیکھ آیا ہوں جن کی موت اس طرح ہوئی تھی کہ ان کی لاش کو سینکڑوں گھڑسواروں نے تپتی ہوئی دھوپ میں روندا تھا اور بخت نصر کی موت اس طرح ہوئی ہو گی کہ بے شمار فوجوں کے پیچھے سینکڑوں کنواریاں ریشمی، لبادے پہنے خوشبوئیں لگائے میٹھی میٹھی آوازوں میں گیت گاتی ہوئی اس کا تابوت کھینچ کر سونے چاندی سے لپے ہوئے مندر میں لے گئی ہوں گی اور لاکھوں روپے اس کی آخری رسموں پر خرچ ہوئے ہوں گے۔

مگر میں حضرت امام حسینؓ کے مزار پر رویا اور روتا رہا اور بختِ نصر کے محل پر مجھے ہنسی آتی ہے اور شاید یہ ہنسی عبرت کا ایک ذریعہ اظہار ہے۔

اُونچے اُونچے مکاں تھے جن کے بڑے
آج وہ تنگ گور میں ہیں پڑے
عطر مٹی کا جو نہ مَلتے تھے
نہ کبھی دھوپ میں نکلتے تھے
گردشِ چرخ سے ہلاک ہوئے
استخواں تک بھی اُن کے خاک ہوئے

اوران استخوانوں کی خاک پر کھڑے ہوکر ہم شہر بابل کا تماشا دیکھتے ہیں۔

اس مقام کا سب سے زیادہ پُر اثر منظر باب عشتار کا ہے۔ عشتار گیٹ یا اُردو کے چٹخارے میں عشتاری دروازہ جو سرخی مائل پکی اینٹوں کا بنا ہوا کئی گز اُونچا دروازہ ہے۔ یہ گویا وسطِ شہر میں ایک یادگار عمارت تھی جس کے بیچ میں سے ایک شاہراہ جلوس کوئی نصف میل تک سیدھی چلی جاتی ہے۔ دروازہ عشتار دیوی سے منسوب ہے۔ یہ دروازہ اژدہوں اور جوان بیلوں کی تصویروں سے مزین ہے جو اینٹوں پر کھودی گئی ہیں۔ یہاں سے جو شاہراہ جلوس سامنے جاتی ہے۔ اس کے دونوں طرف کی دیواروں پر ببر شیروں کے ایک سو بیس نقوش کھودے گئے تھے۔ خود باب عشتار پر ایک اندازے کے مطابق ساڑھے پانچ سو اژدہوں اور بیلوں کے نقوش بنائے گئے تھے۔ دروازے کے اوپر اس حصے پر جس کے قریب میں کھڑا تھا رنگ دار چمکیلی اینٹیں چسپاں ہیں۔ ان اینٹوں پر رنگ کی تہہ چڑھائی گئی تھی جو پونے تین ہزار برس گزر جانے پر بھی اسی طرح قائم ہے۔ تہذیب بابل پر کام کرنے والوں نے سلطنت بابل ونینوا کے سینکڑوں آثار اَن گنت کتابوں میں مذکورہ کیے ہیں جو جانوروں اور انسان نما جانوروں کی تصویروں اور وضاحتی علامتوں سے پُر ہیں۔ یہ علامتیں طرح طرح کے خوف وعزائم کی کہانیاں سناتی ہیں۔

باب عشتار کے جنوب مغرب شاہی محلات کا علاقہ ہے جو تیرہ ایکڑ زمین میں پھیلا ہوا تھا۔ ایک محل کے سامنے کھڑے ہوکر میں بڑی اتراہٹ کے مارے ادھر اشارہ کرتے ہوئے تصویر کھینچواتا ہوں (اور بعد میں اس چھچھورپنے پر شرماتا ہوں)۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں سے بابل کی دولت وحشمت کے غلغلے اس طرح اٹھے کہ ان کے ارتعاش آج بھی ہمارے ادب میں صاف سنائی دیتے ہیں۔ اس علاقے میں عمارتوں کے پانچ بڑے بڑے سلسلے تھے جن میں سے وسطی عمارت ایک بہت بڑا دربار ہال یا دیوان تھا۔ جس میں نیلی چمکدار اینٹوں کا کام تھا۔ اس وسیع عمارت کی بوجھل چھت بنانے والے انجینئرنگ کے ترقی یافتہ اصولوں سے اچھی طرح واقف ہوں گے۔ شاید یہی وہ دیوان یا دربار ہے جس کی دیوار پر عین جشن ضیافت کے وقت ایک غیبی ہاتھ نے چمکتے ہوئے لفظوں میں زوال بابل کی پیشن گوئی لکھ دی تھی۔ اس روایت نے بعد میں بہت سی زبانوں کو اس مضمون سے ملتے جلتے محاورے دیئے ہیں۔ اس دربار ہال کی دیوار پر زوال بابل کی غیبی پیشن گوئی کا نمودار ہونا شاید صرف ایک کہانی ہو مگر یہ کہانی وقت اور تاریخ کی سب سے زیادہ نمایاں اور

مسلسل حقیقت ہے۔ ہر دور میں یہی ہوتا ہے کہ پہلے وقت کے ہاتھ نسلوں اور قوموں کے سامنے دیوار پر تنبیہی تحریریں لکھتے ہیں اور اگر وہ راستی پر نہ آجائیں تو ان کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ کمال یہ ہے کہ یہ تحریریں ہزارہا برس سے لکھی جارہی ہیں اور انھیں دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں مگر پھر بھی کچھ نہیں سمجھتے۔

''کیا یہ بابل عظیم نہیں ہے۔ جسے میں نے اپنی شاہانہ نمود کے لیے بنایا ہے۔'' یہ بختِ نصر کی تحریر ہے جسے جرمن ماہرین نے بالآخر پڑھ لیا ہے۔

ہاں یہ اس شہر کا حال ہے جو دو دریاؤں کے بیچ میں ایک بلندی پر واقع ہے اور جس کے گرد تہہ در تہہ فصیلیں اور دیوار اندر دیوار محلات اور مندر تھے تاکہ حملہ آوروں کی مزاحمت قدم قدم پر کی جا سکے۔ یہ شہر تقریباً ڈھائی ہزار برس قبل مسیح سے لے کر سکندر اعظم کے زمانے تک پوری ہمعصر اور بعد کی دنیا کے لیے ایک مرقع حیرت بنا رہا۔ جہاں اکادمی رسم الخط اور طرز تحریر پیدا ہوا جہاں دنیا کی پہلی انسائیکلو پیڈیا ترتیب دی گئی۔ جہاں چھتوں پر باغ تھے۔ ہینگنگ گارڈن جہاں سڑکیں ایک دوسرے کو سیدھی اس طرح کاٹتی تھیں جیسے نیویارک کی سڑکیں ایک دوسرے کو قطع کرتی ہوئی چلتی ہیں۔ اس وقت یورپ اور امریکہ میں بسنے والی قومیں شاید کھالیں پہن کر ستر پوشی کرتی ہوں گی، جب بابل کے صنعت کار ریشم و سنجاب کے ملبوسات تیار کر کے ہندوستان اور مصر بھیجتے تھے۔ ایسے وقت میں اپنے موہن جوڈارو کے انکشافات مکمل ہونے پر شاید بابل و نینوا کی تہذیبیں نو دولتوں کی طرح لگیں گی مگر موہن جوڈارو پر ابھی تک لاعلمی اور قیاس کی کُہر چھائی ہوئی ہے۔

تو یہ ہے بابل۔ سرخ پتا اینٹوں اور نیلی اور زرد چمکدار اینٹوں کا ویرانہ، بے شمار دیوی دیوتاؤں کا معبد۔ حمورابی اور بختِ نصر اور سکندر اور سائرس کا بابل۔ جب اس کی کھدائی کا پہلا مرحلہ ختم ہو گیا اور جرمن ماہرین اینٹیں اور مجسمے کھلے چھوڑ گئے تو قریب کے گاؤں حلہ کے باشندوں نے بے شمار مسالہ اپنے چھوٹے چھوٹے گھر اور سڑکیں بنانے میں استعمال کیا۔ عشتاری دروازے کا بہت سا مال جرمن ماہرین لے گئے تھے جو انھوں نے برلن کے عجائب خانے میں استعمال کیا۔ اس عجائب خانے پر بھی جنگ عظیم میں بمباری ہوئی اور وہ تقریباً تباہ ہو گیا۔

ہاں یہ بابل ہے جو کسی مورخ یا مبصر یا اہل دل کے الفاظ میں پہلے شہر عظیم تھا اور اب صحرائے عظیم ہو کر رہ گیا ہے۔

اے آنکھوں والو! دیکھو اور عبرت پکڑو۔

کھنڈروں کے ساتھ ایک چھوٹا سا کمرا ہے جو عجائب خانے کا کام دیتا ہے۔ یہاں قدیم تحریروں، روایتوں، نقشوں اور موجودہ آثار کی بنا پر قدیم شہر کا ایک نمونہ تیار کیا گیا ہے جسے دیکھنے سے عجیب عجیب اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ وہ شہر کی ترتیب، وہ رکھ رکھاؤ، وہ دمدموں اور فصیلوں کی ترتیب اور مضبوطی۔ جب اس کی مضبوط سڑکوں پر شہسوار گھوڑے

کٹراتے ہوں گے تو کیا کسی کو خیال آتا ہوگا کہ ایک دن ہم اور ہم جیسے بے شمار سیاح شہر سے متعلق عجائب خانوں میں حیرت سے اس کا ماڈل دیکھا کریں گے۔

سلطنت بابل اور سلطنت نینوا کی رقابت کی کہانیاں دونوں میں حربی اور فنی مقابلوں اور ان سب کے پیشرو آشوریوں کی تہذیب اور اس کے آثار وفنون لطیفہ کی داستانیں سینکڑوں کتابوں میں بکھری پڑی ہیں۔ ان کتابوں میں بادشاہوں، دیوتاؤں اور جانوروں کے مجسموں کے مرقعے اور ان پر تفصیلی تحقیق کے نتائج درج ہیں مگر ان کا ذکر ایک باقاعدہ مورخ کا کام ہے جو میں نہیں ہوں۔ میں تو ایک چھوٹا سا آئینہ ہوں جسے اتفاقات نے عالمی گردش میں ڈال دیا ہے۔ میں وہی کچھ بیان کرسکتا ہوں، جس کا عکس میرے ذہن میں اُبھرتا ہے۔ شیشے کے ٹکڑے اور انسانی ذہن میں یہ فرق ضرور ہے کہ شیشے پر گزرتے ہوئے نقوش مٹتے جاتے ہیں اور ذہن کی تہیں انھیں جذب کرتی رہتی ہیں۔

چلتے چلتے میں نے سوچا کہ اگر کبھی میرا گزر نیویارک سے ہوا اور اگر وہاں مجھے کسی گائیڈ نے ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ یا آزادی کا مجسمہ دکھاتے وقت لاف زنی کی تو بابل کا تجربہ یا مشاہدہ میرے کام آنا چاہیے۔ ایک طفلانہ جوش کے ساتھ میں بھاگا ہوا واپس گیا اور عشتاری دروازے سے ایک اینٹ کا چھوٹا سا ٹکڑا توڑ لیا (جو قانوناً جرم ہے) پھر میں نے عجائب خانے کے سامنے بیٹھے ہوئے ایک بچے سے آٹھ آنے میں قدیم بابل کے ماڈل کا پکچر کارڈ خریدا اور یوں فاتحانہ موٹر کی طرف چلا جیسا حمورابی کی بجائے اس کی کتاب قانون کا مصنف میں تھا اور اب شہنشاہ بختِ نصر کے تخت پر براجمان ہونے جا رہا ہوں۔

(دنیا میرے آگے)

مشق

ا۔ مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف) بابل کی وجہ شہرت کیا ہے؟

ب) حمورابی قانون دہندہ کیوں کہلاتا تھا؟

ج) دورِ بخت نصر کا ایک اہم کارنامہ کیا تھا؟

د) گائیڈ نے بخت نصر کو کیوں کر للکارا؟

ہ) بابل کے کھنڈرات پر گھومتے ہوئے مصنف نے احساسِ آزادی کیوں محسوس کیا؟

و) مصنف حضرت امام حسینؓ کے مزار پر کیوں رو پڑے؟

ز) نیویارک اور بابل میں کیا مماثلت تھی؟

ح) مصنف نے بچے سے کیا خریدا اور اس کے احساسات کیا تھے؟

۲۔ متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں۔

الف) بخت نصر نے بابل پر حکومت کی۔

(i) چالیس برس (ii) چوالیس برس

(iii) اڑتالیس برس (iv) پچاس برس

ب) بخت نصر کے بعد بابل پر قابض ہوا:

(i) شہنشاہ ایران (ii) شہنشاہ روم

(iii) شہنشاہ برطانیہ (iv) شہنشاہ شام

ج) شاہی محلات کا علاقہ پھیلا تھا:

(i) دس ایکڑ (ii) گیارہ ایکڑ

(iii) بارہ ایکڑ (iv) تیرہ ایکڑ

د) بابل کھنڈرات کا سب سے زیادہ پُر اثر منظر تھا:

(i) بابِ عشتار (ii) شاہی محلات

(iii) عجائب خانہ (iv) پھانسی گھاٹ

ہ) سلطنت بابل کی رقابت تھی:

(i) ہندوستان سے (ii) ایران سے

(iii) نینوا سے (iv) افغانستان سے

۳۔ متن کے مطابق درست کی نشان دہی علامت (✓) سے اور غلط کی علامت (✗) سے کریں۔

الف) بخت نصر مذہبی لحاظ سے دہریہ تھا۔

ب) سکندر اعظم کا انتقال بابل میں ہوا۔

ج) بابِ عشتار ایک دیوتا سے منسوب ہے۔

د) بابل دو دریاؤں کے درمیان واقع ہے۔

ہ) بابل کے کھنڈرات پر کھڑے ہو کر مصنف نے غلامی کا احساس کیا۔

۴۔ متن کے مطابق درست لفظ سے خالی جگہ پُر کریں۔

الف) سائرس.............. کا شہنشاہ تھا۔ (ایران ۔ ہندوستان ۔ شام)

ب) بابل میں دنیا کی پہلی.............. مرتب کی گئی۔ (لغت ۔ انسائیکلوپیڈیا۔ مذہبی کتاب)

ج) بابل پر.............. ماہرین نے تحقیق کی۔ (جرمنی ۔ فرانسیسی ۔ امریکن)

د) مصنف بخت نصر کے محل پر.............. تھا۔ (روتا ۔ ہنستا۔ خوش ہوتا)

ہ) بخت نصر کا اپنی قوم میں غیر مقبول ہونے کی وجہ اُس کا.............. ہونا تھا۔

(دہریہ ۔ ظالم ۔ عیاش)

۵۔ سیاق و سباق کے حوالے سے متن کی تشریح لکھیں۔

چلتے چلتے میں نے سوچا کہ اگر میرا گزر.............. براجمان ہونے جا رہا ہوں۔

۶۔ سلطنت بابل کی تاریخ اور تہذیب پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔

۷۔ متن کی روشنی میں درج ذیل جملوں کی مختصر وضاحت کریں۔

الف) اور اب میں شہنشاہ بخت نصر کے تخت پر براجمان ہونے جا رہا ہوں۔

ب) تاریخ تم پر ہنستی اور مجھ سے شرماتی ہے۔

ج) جہاں پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا تھا۔

د) کوئی محتسب نہیں جو ہماری گفتگو پر پابندی لگا سکے۔

روداد نویسی

روداد فارسی زبان کا لفظ ہے جو حقیقت حال کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ گویا ان حالات و واقعات کی تفصیل ہوتی ہے۔ جو کسی شخص کا مشاہدہ یا تجربہ ہو۔ انگریزی میں اسے رپورٹ کہتے ہیں۔ روداد نویسی سے مراد کسی تقریب، جلسے، میلے یا حادثے کا آنکھوں دیکھا حال، ایک غیر جانبدار مبصر کی حیثیت سے کاغذ پر تحریر کر کے پیش کرنا۔ گویا اس تقریب یا واقعہ کی تلخیص بھی ہے اور جائزہ بھی۔ مگر یہ مضمون سے مختلف ہوتی ہے۔ روداد نویسی میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں اسے اختصار، ترتیب اور حسن ادا کے ساتھ سپرد قلم کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ جنہوں نے اس تقریب کو نہیں دیکھا۔ وہ غائبانہ لطف اندوز ہو سکیں۔

سرگرمیاں

۱۔ اساتذہ کرام طلبہ سے کسی سفر، میلے یا تقریب کی روداد سنیں اور لکھوائیں۔

۲۔ اساتذہ کرام طلبہ سے مختلف اقسام کے تبادلہ و ترقی کے لیے نگرانہ درخواستیں لکھوائیں۔

۳۔ اساتذہ کرام طلبہ کو لائبریری میں لے جا کر مختلف سفرنامہ نگاروں کے سفرناموں سے متعلق معلومات فراہم کریں۔

اشاراتِ سبق

۱۔ اساتذہ کرام طلبہ کو ادب میں صنف سفرنامہ نگاری، کی اہمیت اور اسے لکھنے کی تکنیک سے آگاہ کریں۔

۲۔ سفرنامہ "بابل کے کھنڈرات" کے تاریخی پس منظر سے آگاہ کریں۔

۳۔ جمیل الدین عالی کی طرزِ تحریر سے متعارف کروائیں۔